9

صرف ایمان ہی مومنوں کو خطرات سے بچاتا اور انبیاء کی جماعتوں کو زندہ رکھتا ہے

(فرمودہ 17 اپریل 1942ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"مَیں نے پچھلے جمعہ دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ یہ دن بہت نازک ہیں اور ہماری جماعت کے لئے جو نہایت ہی کمزور اور تعداد میں کم ہے خود حفاظتی کا صرف ایک ہی ذریعہ باقی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کریں۔

پچھلے ہفتہ میں مختلف دوستوں نے خصوصیت سے مجھے کہا ہے کہ ہمیں اپنی حفاظت کے کوئی سامان کرنے چاہئیں۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ وہ سامان آئیں کہاں سے؟ حفاظت کے لئے آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ہمارے پاس ہیں نہیں، حفاظت کے لئے روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ہمارے پاس نہیں ہے، حفاظت کے لئے ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ہمارے پاس نہیں ہیں، حفاظت کے لئے دوسرے سامان جنگ کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ہمارے پاس نہیں ہے، حفاظت کے لئے حکومت کی اور طاقت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ اس حالت میں وہ کون سے ذرائع ہیں جن کو ہم اختیار کر سکتے ہیں۔ مَیں مانتا ہوں کہ نہایت ہی محدود حد تک ہم مادی سامان بھی اپنی حفاظت کے اکٹھے کر سکتے ہیں مگر جن قوتوں اور جن دشمنوں سے ہمیں خوف ہے وہ مادی قوت کے لحاظ سے ہم سے سینکڑوں گُنا زیادہ ہیں۔ اگر کوئی بیرونی دشمن آجائے تو ہمارے پاس وہ کونسی طاقت ہے جس سے ہم اس

کامقابلہ کر سکتے ہیں اور اگر کوئی اندرونی فتنہ پیدا ہو تو ہمارے پاس کون سی طاقت اس کے مقابلہ کے لئے ہے۔ ہم تو ہندوستان بلکہ پنجاب میں بھی اتنے نہیں جتنا کہ آٹے میں نمک ہو۔ پس جہاں تک ظاہری اور مادی سامانوں کا تعلق ہے۔ ہمارا خانہ خالی ہے لیکن جہاں تک روحانی سامانوں کا تعلق ہے وہ مَیں یا کوئی اَور شخص پیدا نہیں کر سکتا۔ ان کا ایمان کے ساتھ تعلق ہے اور ایمان ہر ایک کے دل کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ ایمان ایک ایسی چیز ہے کہ جب وہ دل میں پیدا ہو جائے تو دنیوی سامان اس کے مقابل پر ہیچ نظر آنے لگتے ہیں۔ دنیا میں انسان اپنی حفاظت کے سامانوں کی اسی واسطے جستجو کرتا ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ مَیں بچ جاؤں مگر مومن کا مقام بالکل جدا ہوتا ہے۔ جہاں دنیا کے لوگ جان بچانے کی فکر میں ہوتے ہیں وہاں مومن جان دینے کی فکر میں ہوتا ہے اور جو تیار ہو جائے کہ خدا تعالیٰ اور اس کے دین کے لئے جان دے دے اسے اَور کون سی طاقت ہے جو ڈرا سکتی ہے اور خائف کر سکتی ہے۔ بہرحال اگر خطرہ پیدا ہو تو دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مومن یا جیتے گا یا مرے گا اور اس کے لئے نہ جیتنے سے اور نہ مرنے سے ڈرنے کی کوئی وجہ ہے۔ مومنوں کو دنیا ہمیشہ سے مجنون کہتی چلی آئی ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ ایک ایک پاگل دس دس عقلمندوں پر بھاری ہوتا ہے۔ انسان خطرہ کے وقت اپنی بہت سی طاقت اس لئے خرچ نہیں کرتا کہ وہ ڈرتا ہے کہ لڑتے ہوئے میرا ہاتھ ٹوٹ جائے گا یا پیر ٹوٹ جائے گا یا سر ٹوٹ جائے گا مگر پاگل کو یہ احساس نہیں ہوتا۔ عقلمند اپنی حفاظت کے خیال سے اپنا سارا زور صرف نہیں کرتا لیکن پاگل کے سامنے اپنی حفاظت کا خیال نہیں ہوتا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول عورتوں میں قرآن کریم کا درس دیا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں یہاں ایک استانی تھیں جو اب فوت ہو چکی ہیں۔ ان کو جنون کا دَورہ ہؤا کرتا تھا۔ ایک دن حضرت خلیفہ اول اس کمرہ میں جو ہمارے مکان کے مشرق سے گزرنے والی گلی کے اوپر ہے۔ درس دے رہے تھے۔ آجکل اس کمرہ میں میری چھوٹی بیوی مریم صدیقہ رہتی ہیں۔ اس کمرہ کی وہی کھڑکی اب تک قائم ہے۔ حضرت خلیفہ اول وہاں درس دے رہے تھے کہ استانی کو جنون کا دَورہ ہؤا اور انہوں نے اس کھڑکی میں سے نیچے کود کر گرنا چاہا۔ ہمارے گھر کی مستورات نے سنایا کہ حضرت خلیفہ اول نے اٹھ کر جلدی سے اسے پکڑا۔

اس زمانہ میں حضرت خلیفہ اول ایسے کمزور نہ تھے۔ ابھی بیماری نہ آئی تھی۔ آپ بڑے مضبوط جسم کے آدمی تھے۔ بعض اوقات آپ اپنا ہاتھ لمبا کر دیتے اور فرماتے کہ کوئی جوان اسے ٹیڑھا کر کے دکھائے۔ تو آپ اچھے مضبوط آدمی تھے اور مضبوط ہونے کا آپ کو دعویٰ تھا مگر وہ استانی دبلی پتلی منحنی اور چھوٹے قد کی عورت تھی مگر آپ اسے روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے اور آپ نے بلند آواز سے عورتوں کو کہا کہ آکر میری مدد کرو۔ یہ میرے ہاتھ سے چھوٹی جاتی ہے اور آپ کے ساتھ آٹھ دس عورتوں نے مل کر بمشکل اسے پکڑا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ پکڑنے والے سب عقلمند تھے اور ان میں سے کوئی بھی اپنی پوری طاقت کا استعمال نہ کرتا تھا مگر وہ عورت پاگل تھی اور پاگل کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ میرا ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائے گا، پسلیاں ٹوٹ جائیں گی یا کمر ٹوٹ جائے گی اسے صرف ایک ہی خیال ہوتا ہے اور پورا زور لگا کر اسے کرنا چاہتا ہے۔

انبیاء کی جماعتوں کو لوگ اسی وجہ سے پاگل کہا کرتے ہیں کہ انہیں سارا زور لگا دینے کی عادت ہوتی ہے اور جب کوئی انسان پورا زور لگا دے تو بڈھا نوجوانوں پر بھاری ہوتا ہے اور جو ان دسیوں جوانوں پر بھاری ہوتا ہے۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بدر کی جنگ کے لئے مدینہ سے نکلے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی اطلاع دی گئی تھی کہ دونوں قافلوں میں سے کوئی نہ کوئی مل جائے گا اوراس سے مقابلہ ہو گا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی حکم تھا کہ شروع میں آپ اس امر کو ظاہر نہ کریں۔ آپ نے چونکہ جنگ کے پہلو پر زور نہ دیا تھا۔ اس لئے صحابہ بھی سارے آپ کے ساتھ نہ گئے بلکہ کم گئے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ تجارتی قافلہ سے مقابلہ ہے۔ مدینہ میں اَور سپاہی تھے مگر وہ ساتھ نہ گئے تھے۔ جب آپ چند منزل آ گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر پوری حقیقت کھول دی گئی اور ساتھ اجازت بھی دی گئی کہ بیان فرمائیں کہ اصل غرض کیا ہے۔ آپ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور بتایا کہ قافلہ نکل چکا ہے مگر کفار کا لشکر آ رہا ہے۔ اب مشورہ دو کہ کیا کیا جائے۔ آپ کے ساتھ کُل 313 صحابہ تھے۔ اور ان میں سے بھی ایک حصہ ناتجربہ کاروں کا تھا۔ کچھ انصارؓ تھے جو جنگی فنون سے ایسے واقف نہ تھے اور ان حالات کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا تھا کہ آپ ان لوگوں کے لئے موت خریدنا چاہتے تھے۔

آپ نے جب مشورہ پوچھا تو مہاجرین میں سے ایک کے بعد دوسرا کھڑا ہوتا ہو گیا اور کہتا گیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر جنگ مقدر ہے تو ہم تیار ہیں لیکن انصار خاموش تھے اور اس کی وجہ یہ تھی۔ مکہ والے مہاجرین کے رشتہ دار تھے اور اس لئے انصار نے خیال کیا کہ اگر ہم نے جنگ کا مشورہ دیا تو مہاجرین سمجھیں گے کہ چونکہ مکہ والے ہمارے رشتہ دار ہیں اس لئے یہ لوگ ان سے لڑنے پر آمادہ ہو گئے ہیں اور ان کا مرنا ان لوگوں پر گراں نہیں گزرتا۔ اس لئے وہ اپنے مہاجر بھائیوں کے احساسات کا احترام کرتے ہوئے خاموش رہے۔ مہاجرین یکے بعد دیگرے اٹھتے اور مشورہ دیتے اور اپنے جوش اور اخلاص کا اظہار کرتے مگر ان میں سے جب کوئی بات ختم کر لیتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لوگو مشورہ دو پھر دوسرا مہاجر اٹھتا اور اسی طرح جوش اور اخلاص کے ساتھ لڑنے کا مشورہ دیتا مگر آپ پھر فرماتے کہ لوگو مشورہ دو۔ اس پر انصار نے سمجھا کہ شاید آپ ہمیں مخاطب فرما رہے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک کھڑا ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ مشورہ تو مل رہا ہے مگر آپ پھر بھی یہی فرماتے ہیں کہ لوگو مشورہ دو اور شاید آپ کی مراد انصار سے ہے (انصار جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں لائے۔ تو یہ اقرار کیا تھا کہ اگر کوئی دشمن مدینہ پر حملہ کرے گا تو ہم اپنی جانوں سے آپ کی حفاظت کریں گے۔ لیکن مدینہ سے باہر کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں) اس انصاری نے عرض کیا یارسول اللہ! اب چونکہ ہم لوگ مدینہ سے باہر ہیں اس لئے شاید آپ کو خیال ہے کہ اس اقرار کے مطابق ہم آپ کا ساتھ نہ دیں گے۔ لیکن یارسول اللہ! جس وقت ہم نے یہ اقرار کیا تھا اس وقت ہمیں اسلام کی پوری خبر نہ تھی اور آپ کی ذات کی بھی ہمیں کما حقہ قدر نہ تھی مگر اب کہ اسلام ہم پر کھل چکا اور آپ کی قدر کو ہم نے پہچان لیا۔ اب اس اقرار کا کوئی سوال نہیں۔ یارسول اللہ! سامنے سمندر ہے۔ آپ حکم دیں تو ہم اس میں گھوڑے ڈال دیں گے اور اگر مقابلہ ہوا تو ہم آپ کے دائیں لڑیں گے اور بائیں لڑیں گے، آگے لڑیں گے اور پیچھے لڑیں گے اور کوئی دشمن آپ کی ذات تک ہرگز نہ پہنچ سکے گا۔ جب تک کہ وہ ہماری لاشوں پر سے نہ گزرے۔[1]

ایک صحابی کہتے ہیں کہ مَیں بارہ جنگوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہوا ہوں مگر باوجود اس کے مجھے ہمیشہ یہ حسرت رہی ہے کہ گو مَیں اس سعادت سے محروم رہتا مگر

کاش یہ الفاظ میرے مُنہ سے نکلے ہوتے۔

گزشتہ جمعہ کے خطبہ میں مَیں نے بتایا تھا کہ انصار کے ہی دو نو عمر لڑکوں نے کس طرح ثابت کر دیا کہ یہ لوگ کن جذبات کے ساتھ جنگ میں شامل ہوئے تھے۔ آج مَیں مضمون کے لحاظ سے بتاتا ہوں کہ کس طرح یہ لوگ اپنی تمام قوتوں کو اسلام کے لئے صرف کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ جب دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کے بالمقابل ڈیرے ڈال دیئے تو مکہ والوں میں ہی چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ مسلمانوں میں اکثر حصہ مہاجرین کا ہے جو ہمارے رشتہ دار ہیں۔ اگر لڑائی میں ہم لوگ مارے گئے جب بھی اور اگر وہ مارے گئے جب بھی مرنے والے ہماری ہی قوم کے مریں گے۔ اس لئے بعض سمجھدار لوگوں نے یہ تحریک کی کہ صلح کر لی جائے اور لڑائی نہ کی جائے۔ یہ بات ایسی پختہ ہوتی چلی گئی کہ لشکر میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا اور بہتوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ لڑائی نہیں ہونی چاہیئے۔ حالت یہ تھی کہ کسی کا ایک بھائی مسلمانوں میں تھا اور دوسرا کفار میں، کسی کا بیٹا مسلمانوں میں تھا اور باپ کافروں کے لشکر میں، کسی کا باپ اِدھر تھا اور بیٹا اُدھر (حتّٰی کہ حضرت ابو بکرؓ کا ایک بیٹا بھی کفار کے لشکر میں شریک تھا۔) اور یہ چرچا ہونے لگا کہ کیا باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے اور بھائی بھائی سے لڑے گا۔ ان باتوں کا طبعاً لوگوں پر اثر ہوُا اور جب ہیجان بہت بڑھا تو ابو جہل جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ ایک شخص کے پاس گیا جس کا بھائی ابتدائی زمانہ میں کسی مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا تھا اور اس سے کہا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارے بھائی کا بدلہ نہ لیا جائے۔ اس نے کہا ضرور لیا جانا چاہیئے۔ ابو جہل نے کہا کہ بس آج ہی تو اس کا موقع ہے۔ تم شور مچاؤ کہ میرے بھائی کا بدلہ ضرور لیا جائے۔ عرب قوم مہذب نہ تھی اور ان میں بعض بے ہودہ رسوم تھیں۔ اپنی ایک رسم کے مطابق وہ شخص مادر زاد ننگا ہو کر باہر آیا اور رونے پیٹنے لگا اور بَین کرنے لگا کہ او میرے بھائی! آج تیری قوم نے تجھے چھوڑ دیا اور وہ تیرا بدلہ لینا نہیں چاہتی۔ عربوں میں یہ ایک رسم تھی کہ جب کوئی شخص اپنی قوم کے دلوں میں جوش پیدا کرنا چاہتا تھا تو اس طرح مادر زاد ننگا ہو کر رونے پیٹنے اور بَین کرنے لگتا۔ اس شخص نے بھی جب اس طرح کیا تو دلوں میں ایک جوش پیدا ہو گیا اور پہلے خیالات جاتے رہے اور لوگ لڑائی کے لئے تیار ہو

گئے۔ اسی دوران میں کفار نے اپنے ایک تجربہ کار افسر ☆ کو تیار کیا کہ جا کر اندازہ کرے۔ مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے۔ وہ شخص معلوم ہوتا ہے جنگی کاموں سے بخوبی ماہر تھا۔ وہ پہلے اس طرف گیا جس طرف باورچی خانہ کا انتظام تھا اور ذبح شدہ اونٹوں کی تعداد دیکھ کر اندازہ کیا کہ مسلمانوں کی تعداد تین ساڑھے تین سَو کے درمیان ہو گی اور جا کر کفار سے کہا کہ باقی سب اندازے غلط ہیں۔ مسلمانوں کی تعداد تین اور ساڑھے تین سَو کے درمیان ہے۔ کفار نے کہا کہ بس پھر تو کوئی بات نہیں۔ ہم تو انہیں فوراً مار لیں گے لیکن اس شخص نے کہا کہ بھائیو! گو مسلمانوں کی تعداد تو تھوڑی ہے مگر مَیں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ ان سے لڑائی کا خیال چھوڑ دو۔ انہوں نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ مَیں نے بعض مسلمانوں کو بھی دیکھا ہے مگر مَیں سچ کہتا ہوں کہ مَیں نے اونٹوں اور گھوڑوں پر آدمی نہیں موتیں سوار دیکھی ہیں۔[2] ان میں سے ہر ایک کے چہرے سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مرنے کے لئے آیا ہے اور کسی کام کے لئے نہیں اور اگر تم نے ان سے لڑائی کی تو یا تو وہ سب کے سب خود مر جائیں گے یا تم کو مار دیں گے اور جو قوم مرنے کے لئے آمادہ ہو چکی ہو۔ اس سے لڑنا اچھا نہیں ہوتا مگر کفار میں چونکہ جوش پیدا ہو چکا تھا۔ اس کا مشورہ نہ مانا گیا اور انہوں نے لڑنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ لڑائی ہوئی اور مسلمان اسی نیت اور ارادہ سے لڑے کہ ان میں سے کوئی بھی واپس نہ جائے گا۔ ان کا یہ ارادہ اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے ایک عرشہ بنایا جس پر رسول کریم ﷺ کو بٹھا دیا۔ دو تیز رفتار اونٹنیاں پاس باندھ دیں اور باہم مشورہ کر کے حضرت ابو بکرؓ کو آپ پر پہرہ دار مقرر کیا کہ اگر جنگ کی حالت خراب ہوئی تو وہ رسول کریم ﷺ کو ساتھ لے کر مدینہ پہنچ جائیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اسلام کی زندگی آپ کے دم سے ہے اگر لڑائی کی حالت خراب ہوئی تو ہم میں سے تو کوئی واپس جائے گا نہیں مگر اسلام کی خاطر آپ کا زندہ رہنا ضروری ہے۔ ہمارے مارے جانے سے اسلام کی شکست نہیں ہو سکتی کیونکہ مدینہ میں اسلام کے اَور سپاہی بھی موجود ہیں اس لئے ہم نے ابو بکرؓ کو آپ کا پہرہ دار مقرر کیا ہے جن پر ہمیں سب سے زیادہ اعتماد ہے کہ وہ اپنی جان پر کھیل کر بھی آپ کی حفاظت کریں گے۔ آپ ان کے

☆ عمیر بن وھب (سیرۃ لابن ھشام)

ساتھ مدینہ تشریف لے جائیں۔[3] اس کے معنے یہ ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی زندہ واپس جانے کو تیار نہ تھا۔

دنیا میں کتنی کتنی بڑی جنگیں ہوئی ہیں جن میں لڑنے والوں کی بڑی تعریفیں ہوتی ہیں مگر وہ سب ایسی ہیں کہ کسی میں ہزار میں سے دو سَو سپاہی مارے گئے، کسی میں تین سو سپاہی مارے گئے اور باقی بچ کر آ گئے مگر پھر بھی وہ سارا لشکر ہی بہادر سمجھا جاتا ہے۔ تاریخ میں ایسے مجنونانہ مقابلہ کی ایک مثال صرف یونان کی تاریخ میں ملتی ہے۔ سپارٹا کے درہ پر جتنے کے جتنے سپاہی متعین تھے۔ وہ سب کے سب مارے گئے مگر وہ ایک درّہ میں تھے اور ان کے لئے دشمن کو بالکل روک لینے کا امکان موجود تھا مگر مسلمانوں کا لشکر باوجود تعداد میں دشمن سے بہت کم ہونے کے کھلے میدان میں تھا اور دشمن پر فتح پانے کا امکان بظاہر اس کے لئے کوئی نہ تھا۔ باوجود اس کے ان میں سے ہر ایک اس نیت اور اس ارادہ سے میدان جنگ میں گیا تھا کہ واپس گھر جانے کا موقع اسے نہ مل سکے گا۔ یہی وجہ تھی کہ ان لوگوں نے دنیا کا تختہ الٹ دیا۔ یہ لوگ مجنونوں کی طرح لڑتے تھے۔ تو ایمان انسان کے اندر ایسی قوت پیدا کر دیتا ہے کہ لوگ اسے پاگل سمجھنے لگتے ہیں کیونکہ جس طرح پاگل مقابلہ کے وقت یہ نہیں دیکھتا کہ میرا سر ٹوٹ جائے گا یا ہاتھ پیر ٹوٹیں گے یا کوئی اَور حصہ جسم کا ٹوٹ جائے گا۔ مومن بھی دین کے مقابلہ میں اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتا۔ گو اس کے اس جوش کا باعث جسمانی جنون نہیں ہوتا بلکہ عشق کا جنون ہوتا ہے۔

جنگِ موتہ کا واقعہ ہے۔ رسول کریم ﷺ نے حضرت زیدؓ کو اس کا کمانڈر بنا کر بھجوایا اور فرمایا کہ اگر زید مارے جائیں تو جعفر سردار لشکر ہوں۔ اگر وہ مارے جائیں تو عبد اللہ بن رواحہ اس کے سردار ہوں اور اگر وہ شہید ہوں تو جسے مسلمان چاہیں سردار منتخب کر لیں۔ جب اول الذکر شہید ہوئے۔ حضرت جعفر نے جھٹ اپنے گھوڑے سے چھلانگ لگا دی۔ گھوڑے کو زخمی کر دیا اور جھنڈا ہاتھ میں لے لیا۔ گھوڑے کو زخمی کرنے کے یہ معنے تھے کہ مَیں واپس نہیں لوٹوں گا جھنڈا لے کر زور سے نعرہ لگایا اَوْفَیْتُ اَوْفَیْتُ اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس پر عبد اللہ بن رواحہ نے جھنڈا ہاتھ میں لے لیا۔ لڑائی سخت ہوئی دشمن کی تعداد

مسلمانوں سے بیس تیس گُنا زیادہ تھی۔ رومیوں سے مقابلہ تھا جن کی فوج بہت تربیت یافتہ اور ٹرینڈ تھی۔ جس طرح آجکل انگریزوں اور جرمنوں وغیرہ کی فوجیں ہیں۔ آخر حضرت عبداللہ بن رواحہ کا ہاتھ کٹ گیا۔ اس پر انہوں نے دوسرے ہاتھ میں جھنڈا لے لیا۔ وہ بھی کٹ گیا تو ٹانگوں میں دبا کر کھڑے ہو گئے۔ آخر ایک ٹانگ بھی کٹ گئی تو گردن کا سہارا دے کر جھنڈے کو کھڑا کر لیا اور مرتے مرتے یہ آواز دی کہ مسلمانو! اسلام کا جھنڈا نیچا نہ ہونے پائے۔ ایک مسلمان آگے بڑھا اور اس نے جھنڈا زمین میں گاڑ دیا۔ یہ جنون ہی کی حالت ہے، ورنہ کس طرح ایک ہٹے کٹے آدمی کو جب معمولی سا بھی زخم آ جائے تو مرہم پٹی کرانے کے لئے بھاگتا ہے مگر حضرت عبداللہ کے دونوں بازو اور ٹانگ بھی کٹ گئی لیکن کوئی پرواہ نہیں کی۔ ان کو صرف ایک خیال تھا کہ اسلام کا جھنڈا نیچا نہ ہو اور ظاہر ہے کہ ایسے شخص کا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔ ایسے لوگ جب بھی میدان میں آتے ہیں کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ اگر زندہ رہتے ہیں تو فاتح کی حیثیت سے اور اگر مرتے ہیں تو ہمیشہ زندہ رہنے والوں کی حیثیت سے۔ ایسے لوگوں کا نام دنیا سے کبھی نہیں مٹایا جا سکتا۔ یہ لوگ ہر لحہ زندگی کو موت سے بدلنے کے لئے تیار رہتے ہیں اور موت ہمیشہ ان کو زندگی بخشتی ہے۔ پس ایمان ہی ہے جو دنیا میں ہمیشہ مومنوں کو بچایا کرتا ہے اور انبیاء کی جماعتوں کو زندہ رکھا کرتا ہے اور یہ نہ میرے اختیار میں ہے اور نہ کسی اَور کے کہ ہر ایک کے ایمان کو زندہ اور تازہ کرے۔ یہ ایمان اسی صورت میں پیدا ہوتا ہے کہ انسان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو اور جب ایمان کا یہ ولولہ پیدا ہو جائے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت ایسے مومن کو دبا نہیں سکتی اور کوئی قوت اسے مٹا نہیں سکتی۔ بھلا موت سے انسان کیوں ڈرے جو کبھی بھی کسی کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ ہزاروں انسان دنیا میں بڑے بڑے بن کر مرتے ہیں مگر ایک کتّے کی طرح ان کا نام مٹ جاتا ہے اور ہزاروں غریب جانیں دیتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے ان کا نام یاد رکھا جاتا ہے۔ چاہے فرد کے لحاظ سے اور چاہے قوم کے لحاظ سے ہو۔ مَیں نے یونان کے بعض سپاہیوں کی مثال دی ہے جو سپارٹا کے بہادر کہلاتے ہیں۔ یونان میں کتنے بادشاہ ہوئے ہیں مگر سوائے سکندر کے یا اس کے طفیل اس کے باپ کے نام کے سوا کسی ایک کا بھی نام تم میں سے کسی کو معلوم ہے؟ مجھے تو معلوم نہیں حالانکہ

مَیں نے یونان کی تاریخ کا بھی ایک حصہ پڑھا ہے مگر سپارٹا کے بہادروں کا ذکر یاد ہے۔ گو وہ کافر تھے مگر خدمت وطن کے جذبہ کے ماتحت بہادری دکھائی اور ان کا نام روشن ہو گیا۔ تو جو ایمان کی خاطر مرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں ان کی یاد کو اللہ تعالیٰ خود تازہ کر دیتا ہے۔ دیکھو موسیٰ عمران جن کے نام کے ساتھ علیہ السلام کہے بغیر ہماری زبانیں آگے نہیں گزر سکتیں۔ کیسے غریب والدین کا بیٹا تھا۔ حتّٰی کہ وہ روٹی کے لئے فرعون کے گھر میں پرورش پانے پر مجبور تھا۔ ناصرہ کے بڑھئی کے بیٹے کو آج بھی ہم عیسیٰ علیہ السلام کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔ عراق کے ایک معمولی بُت بیچنے والے تاجر کا بیٹا ابراہیم؟ کون سا دن ہے جب مسلمان دن میں پانچ وقت نماز پڑھتے ہوئے اس کا نام نہیں لیتے اور کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ نہیں کہتے۔ دیکھو دنیوی حیثیت سے ان لوگوں کی کیا شان تھی۔ انہیں دنیوی لحاظ سے کوئی بھی حیثیت حاصل نہ تھی مگر خدا تعالیٰ کی طرف سے انہیں عزتیں دی گئیں۔ ان کے بعد بڑے بڑے بادشاہ آئے جنہوں نے دنیا کو تہِ تیغ اور زیرِ نگیں کیا مگر آج ان کا نام بھی کوئی نہیں جانتا یا ان کے نام سے کسی کے دل میں کوئی جوش پیدا نہیں ہوتا مگر وہ چھوٹے سے تاجر کا بیٹا یا ایک معمولی پیشہ ور کا بیٹا جس کا باپ غالباً رعمسیس کے حکم کے مطابق اینٹیں پاتھا کرتا تھا۔ اس وقت بھی ہمارے سردار ہیں اور آج بھی ہماری زبانیں ان کو دعائیں دیئے بغیر آگے نہیں گزر سکتیں۔ یہ کون سی چیز ہے جس نے ایک معمولی سوداگر کے لڑکے یا ایک اینٹیں پاتھنے والے کے بیٹے کو ہمارا سردار بنا دیا۔ یہ خدا تعالیٰ کی محبت ہی تھی اور اس کی نازل کردہ برکات۔ جن سے ان لوگوں کو ایسی عزت ملی جو دنیا کے بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔ آج انگریز اور جرمن لڑتے ہیں۔ یہ کتنی بڑی بڑی سلطنتیں ہیں مگر یہ دونوں ہی آج بھی اس بڑھئی کے بیٹے کو سرداری کا تاج پہناتے ہیں۔ جرمن کہتے ہیں کہ سچے عیسائی ہم ہیں اور انگریز کہتے ہیں ہم ہیں۔ جرمن عیسائیت سے باغی ہیں آج بھی دیکھ لو اتنی بڑی بڑی حکومتیں جس سے بغاوت کا طعنہ دے کر اپنی اپنی قوموں کو ایک دوسرے کے خلاف اکساتی ہیں وہ وہی بڑھئی کا بیٹا ہے اور اس سے بغاوت کا طعنہ دے کر اکسانے والے وہ ہیں جن کے پاس ہزاروں طیارے اور بے شمار سامان جنگ ہے مگر اتنے ساز و سامان کے باوجود اس بڑھئی کے بیٹے کی مدد کے وہ آج بھی

محتاج ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے اسے اپنالیا اور کہا کہ آج سے یہ ہمارا اور ہم اس کے کہلائیں گے۔ آج ایک بڑھئی کا لڑکا ہونا اس کے لئے عزتوں کا موجب ہے۔ اگر وہ کسی بادشاہ کا بیٹا ہوتا تو آج اس کی یہ شان ظاہر نہ ہوتی۔ اسی طرح ہمارے آقا سید الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کس غربت کی حالت رہے۔ یتیم کی حالت میں آپ پیدا ہوئے اور ابھی چھوٹے ہی تھے کہ آپ کی والدہ بھی گزر گئیں۔ مکہ کے لوگ اپنے بچوں کو باہر دیہات میں دائیوں کے پاس پرورش کے لئے بھیج دیا کرتے تھے تا شہر کی ہوا سے بچہ محفوظ رہے اور دیہات کی کھلی ہوا میں پرورش پا کر تندرست اور مضبوط ہو۔ ان دودھ پلانے والی عورتوں کو بڑے بڑے تحفے ملتے تھے اور جب وہ بچہ کو واپس لاتیں تو بڑے بڑے انعام ملتے تھے مگر آمنہ کا خاوند فوت ہو چکا تھا اور کوئی جائداد تھی نہیں۔ ایسی عورت کے بچہ کو پرورش کرنے کے نتیجہ میں کسی کو انعام یا تحائف ملنے کی کیا امید ہو سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں دوسرے گھروں میں عورتیں خود جا جا کر بچے حاصل کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ وہاں آمنہ خود ہر ایک سے درخواست کرتی تھیں کہ اس کے بچے کو لے جائے مگر ہر ایک ناک بھوں چڑھا کر چلی جاتی تھی۔

حلیمہ جسے آنحضرت ﷺ کی پرورش کی سعادت نصیب ہوئی خود بھی ایک غریب عورت تھی۔ وہ اگرچہ پہلے تو آپ کو ساتھ لے جانے سے انکار کر کے چلی گئی لیکن بوجہ غریب ہونے کے اسے بھی کوئی اپنا بچہ دینا پسند نہ کرتا تھا کیونکہ دینے والے بھی تو یہ دیکھتے تھے کہ ان کے بچوں کو کھانے پینے کے لئے اچھا مل سکے گا یا نہیں۔ تو جہاں آمنہ کے بچہ کو لینے سے ہر دایہ نے انکار کیا وہاں حلیمہ کو ہر ایک نے اپنا بچہ دینے سے انکار کر دیا اور آخر وہ مجبور ہو کر اس شرم کے مارے کہ اس کی قوم کے لوگ کہیں گے کہ یہ بچہ لینے گئی تھی مگر کسی نے اسے پوچھا تک نہیں پھر لوٹ کر آمنہ کے پاس آئی کہ اچھا مجھے اپنا بچہ دے دو گویا ساری دائیوں کا ردّ کردہ بچہ اس دایہ نے لیا جسے سب مکہ والوں نے ردّ کر دیا تھا اور اس طرح وہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ "جس پتھر کو معماروں نے ردّ کیا، وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔" [4]

دایہ بھی معمار ہوتی ہے کیونکہ وہ بھی بچہ کی پرورش کرتی اور بناتی ہے۔ تو وہ تمام دائیوں کا ردّ کیا ہوا بچہ حلیمہ کے گھر گیا اور وہ بھی اپنی شرم مٹانے کے لئے اسے لے گئی۔ لیکن

ایک دن ایسا آیا کہ اسلامی لشکر نے حلیمہ کی قوم کو تہِ تیغ کیااور اس کے تمام نوجوان قید کر لئے گئے جس وقت وہ ساری قوم آہ وبکا میں مصروف تھی۔ اس کی شان و شوکت مٹ چکی تھی۔ وہی حلیمہ جو ایک وقت اتنی غریب تھی کہ مکہ کا کوئی شخص اپنا بچہ اسے دینے کے لئے تیار نہ ہوتا تھا۔ اس کی قوم کے بزرگوں نے جن میں ایک آپ کا رضاعی چچا بھی تھا۔ اس کے نام پر رسول کریم ﷺ سے اپیل کی اور عرض کیا کہ ہم نے آپ کا بچپن دیکھا ہے۔ جب آپ دودھ پیتے تھے اور آپ کو اپنی گودیوں میں کھلایا ہے اور اب آپ اس شان کو پہنچ گئے ہیں۔ اب آپ ہم پر رحم کریں۔ خدا تعالیٰ آپ پر رحم کرے گا۔ آپ نے محبت سے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ دو چیزوں میں سے ایک چن لو۔ اپنے آدمی یا اپنے مال۔ انہوں نے کہا ہمارے آدمی واپس کر دیئے جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ بہت اچھا، میرے اور میرے خاندان کے حصہ میں جس قدر قیدی آئے ہیں سب آزاد ہیں۔ باقیوں کے متعلق مَیں سفارش کروں گا۔ مکہ اور مدینہ کے لوگوں نے خوشی سے قیدی آزاد کر دیئے مگر بعض نو مسلم قبائل نے انکار کیا اس پر آپ نے فرمایا کہ آئندہ غنیمت میں سے فی قیدی چھ اونٹ آپ ادا کریں گے۔ اس پر ان لوگوں نے بھی قیدی چھوڑ دیئے۔ اب دیکھو کجا تو وہ دن تھا کہ حلیمہ رسول کریم ﷺ کو اپنے گھر لے جانا پسند نہ کرتی تھی اور کجا یہ دن کہ اس کی قوم کے معززین نے اس کی خدمت کا واسطہ دے کر رسول کریم ﷺ سے رحم کی اپیل کی اور وہ منظور کی گئی اور اس قوم کے سب قیدی آزاد کر دیئے گئے۔[5]

آج ان واقعات پر تیرہ سو سال گزر چکے ہیں اَور عرب پھر تنزل کی طرف چلے گئے ہیں۔ وہ پھر وحشی ہو گئے ہیں اور بدوی بن رہے ہیں مگر آج بھی ان کے دلوں پر محمد مصطفیٰ ﷺ کی حکومت ہے۔ دس بارہ روز ہوئے ہیں میں ریڈیو پر خبریں سن رہا تھا۔ آواز کی خرابی کی وجہ سے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف سوئی کر رہا تھا کہ جرمنی ریڈیو کی آواز سنائی دی (یا اٹیلین تھا پختہ نہیں کہہ سکتا) اس کی ایک بات سن کر مجھے حیرت بھی ہوئی، ہنسی بھی آئی، لطف بھی آیا اَور تعجب بھی ہوا۔ اردو میں تقریر ہو رہی تھی۔ مقرر کہہ رہا تھا کہ اے مسلمانو! انگریز تمہارے سخت دشمن ہیں۔ تم لوگوں کو پتہ نہیں کہ انہوں نے تم پر کتنے مظالم کئے ہیں۔ انہوں نے فلاں اسلامی ملک پر حملہ کیا، فلاں پر کیا، سوڈان پر بھی حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا اور وہاں تمہارے نبی

کی قبر پر گولہ باری کی اور اس ظلم میں چرچل بھی شامل تھا۔ سمالی لینڈ کے مخالف لیڈر کا نام محمد تھا۔ اس سے مقرر نے سمجھا کہ شاید بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر وہاں ہے۔ مَیں نے خیال کیا کہ دیکھو یہ لوگ اسلام اور اس کی تاریخ سے اتنے جاہل ہیں اور دنیا کو دھوکا یہ دے رہے ہیں کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے بڑے خیر خواہ ہیں۔ مگر دیکھو کس طرح یہ لوگ رسول کریم ﷺ کی محبت کو اکسانے کے لئے جھوٹے واقعات بیان کرتے ہیں کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ اس طرح مسلمان طیش میں آ جائیں گے۔ پس جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ہو جاتے ہیں ان کی عزت کو کوئی نہیں مٹا سکتا۔ ان کا نام لیتے ہی وہ ولولہ اور جوش پیدا ہو جاتا ہے کہ کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا قرآن کریم نے بتایا ہے کہ کمزور ایمان والا شخص دو کا مقابلہ کر سکتا ہے اور پورے ایمان والا دس کا بلکہ دس سے زیادہ کا بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں زیادتی رکھی ہے۔ گویا ایک ہزار مومن دس ہزار دشمن کے لئے کافی ہے اور صحابہؓ پر تو ایسے وقت بھی آئے ہیں کہ ایک ایک نے ہزار ہزار کا مقابلہ کیا ہے۔ رومیوں کے ساتھ ایک جنگ میں ساٹھ مسلمانوں نے جن میں سے کچھ صحابہ اور کچھ دوسرے تھے۔ ساٹھ ہزار پر حملہ کیا تھا۔

پس دنیا کے سامانوں پر نگاہ نہ کرو۔ مومن کبھی ظاہری سامانوں پر انحصار نہیں رکھتا۔ یہ صحیح ہے کہ اگر کسی کے پاس ایک لٹھ ہے تو وہ بھی کام آ سکتا ہے اور اس نے اس پر جو چار یا پانچ آنے خرچ کئے ہیں وہ بھی قوم کی خدمت کی ہے لیکن اگر وہ دعاؤں میں لگا رہے تو وہ ہزار لٹھ اور جمع کر سکتا ہے۔ جو شخص ظاہری لٹھ رکھتا ہے اس نے غلطی نہیں کی کیونکہ ایک ہزار ایک، ایک ہزار سے زیادہ ہی ہے۔ اس لئے وہ بھی ثواب کا مستحق ہے مگر اصل اور حقیقی لٹھ جس سے ہم مقابلہ کر سکتے ہیں دعا ہی ہے۔ گذشتہ خطبہ میں مَیں نے بیان کیا تھا کہ دعا کا ایک پہلو یہ ہے کہ اضطرار کے ساتھ دعا کی جائے۔ آج مَیں اس کا دوسرا پہلو بیان کرنا چاہتا تھا مگر اب تین بج گئے ہیں۔ اس لئے کسی اگلے جمعہ میں اسے بیان کروں گا اور اس وقت صرف اس نصیحت پر اکتفا کرتا ہوں کہ بے شک جو دنیوی سامان کر سکتے ہو اپنی حفاظت کے لئے کرو۔ مگر اس بات کو یاد رکھو کہ اصل چیز ایمان ہے۔ اپنے اندر ایک تغیر پیدا کرو۔ قرآن کریم کی تلاوت باقاعدہ کرو اور صحابہ کرامؓ کی قربانیوں کے واقعات بار بار سامنے لاتے رہو۔ قرآن کریم

کے درس کا باقاعدہ انتظام کرو اور صحابہ کرامؓ کی ابتدائی تاریخ کے واقعات کا بھی درس جاری کرو تا ان کی قربانیاں ہر وقت سامنے آتی رہیں۔ ذکر حبیبؐ سے بھی حبیب کے ساتھ محبت میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔ انفرادی دعائیں بھی کرو اور اجتماعی بھی۔ ہر مسجد میں روزانہ مغرب یا کسی اور نماز کی آخری رکعت میں سب مل کر دعائیں کریں تا اللہ تعالیٰ بیرونی اور اندرونی فتنوں سے محفوظ رکھے۔ اور ہمیں فتنوں کے مقابلہ کے لئے ایمان اور طاقت عطا کرے تا کسی نازک وقت میں ہم اپنے ایمان کا ویسا ہی ثبوت پیش کر سکیں جیسا پہلے انبیاء کی جماعتوں نے کیا اور دنیا یہ نہ کہے کہ وقت آنے پر یہ قوم کچا دھاگا ثابت ہوئی۔ اَلْعَیَاذُ بِاللّٰہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْہِ۔"

(الفضل 29 اپریل 1942ء)

1: السیرۃ الحلبیۃ جلد 2 صفحہ 160۔ مطبوعہ مصر 1935ء

2: سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 274۔ مطبوعہ مصر 1936ء

3: سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 272، 273۔ مطبوعہ مصر 1936ء

4: متی باب 21 آیت 42

5: زاد المعاد حصہ دوم حالات غزوہ حنین